AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com

Vol. 3, No.1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

سعادت حسن منٹو کی خاکہ نگاری: ایک تجزیاتی مطالعہ

آصف نواز

ایم فل اردو سکالر

قرطبہ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی ڈیرہ اسماعیل خان

Asif Nawaz
M Phil Urdu Scholor
Qutaba University of Science and Information Technology D.I Khan

Abstract
This article critically examines the art of sketch writing in the works of Saadat Hasan Manto and highlights the distinctive features of his literary technique. The study explores how Manto transformed traditional sketch writing by combining realism, psychological analysis, human sympathy, and emotional depth. Unlike conventional biographical sketches, Manto's portraits present individuals as complex human beings shaped by social, psychological, and emotional experiences. Through an analytical study of his major sketch collections, particularly Ganjay Farishtay and Loud Speaker, the article demonstrates that Manto focused not only on the external characteristics of his subjects but also on their inner conflicts, hidden motivations, and emotional struggles. His association with the literary and film worlds enabled him to observe human behavior closely and portray it with remarkable authenticity. The study further argues that Manto's realistic approach, combined with his psychological insight and compassionate understanding of human nature, established a new tradition in Urdu sketch writing. Consequently, his sketches continue to occupy a significant position in Urdu literature and remain an important source for understanding human personality and social realities.
Keywords:
Saadat Hasan Manto, Sketch Writing, Urdu Literature, Realism, Psychological Analysis, Humanism, Characterization, Emotional Expression, Literary Criticism, Ganjay Farishtay, Loud Speaker.

اردو ادب کی نثری اصناف میں خاکہ نگاری کو ایک منفرد اور مؤثر ادبی صنف کی حیثیت حاصل ہے۔ یہ صنف کسی شخصیت کے ظاہری خدوخال، عادات واطوار، فکری میلانات، نفسیاتی کیفیات اور سماجی رویوں کو فنی انداز میں پیش کرنے کا نام ہے۔ خاکہ نگاری محض سوانح نگاری نہیں ہوتی بلکہ اس میں مصنف اپنے مشاہدے، تجربے، تجزیے اور تخلیقی بصیرت کی مدد سے شخصیت کے ان پہلوؤں کو نمایاں کرتا ہے جو اس کے انفرادی تشخص کی تشکیل کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خاکہ نگاری کو ادب اور نفسیات کے امتزاج سے وجود میں آنے والی ایک ایسی صنف قرار دیا جاتا ہے جس میں حقیقت نگاری، فن کاری اور شخصیت شناسی ایک دوسرے سے ہم آہنگ نظر آتے ہیں۔

خاکہ نگاری مشکل فن ہے۔ یہ سوانح نگاری کا حصہ ہوتے ہوئے بھی اس معنی میں اس سے الگ ہے کہ یہاں خاکہ نگار ایک جانبدار فرد کی حیثیت سے ثبوت اور شواہد کی روشنی میں شخصیت کو پیش نہیں کرتا ہے بلکہ یہ شخصیت کے بارے میں خاکہ نگار کے اپنے تجربات ومشاہدات اور اخذ وقبول کا آئینہ ہوتا ہے۔ یہاں بعض اوقات شخصی رفاقتیں اور رقابتیں بھی پیچھا نہیں چھوڑتی ہیں۔ اس لیے توازن اور اعتدال ہی اچھے خاکے کی خوبی کہلاتی ہے۔

خاکہ دراصل کسی شخصیت کی قلمی تصویر ہوتی ہے جس کا خالق بت ساز یا مصور یا فوٹو گرافر نہیں بلکہ ایک ادیب ہوتا ہے جو اپنی ادیبانہ قوتوں سے کسی شخص کی عکس کشی یا مرقع نگاری کرتا ہے۔ اس کے بنانے میں نہ سنگ تراش کے اوزاروں کی حاجت ہے، نہ رنگا رنگ پیالوں اور برش کی، نہ پنسل یا چارکول کی اور نہ کیمروں کی۔ یہ صورتیں محض الفاظ سے مرتب کی جاتی ہیں اور ان میں مجسموں، تصویروں، شبیہوں اور فوٹو سے زیادہ دلکشی اور اثرخیزی ہوتی ہے۔ مرقع کشی میں خاکہ نویس کو اس کا خاص

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 3, No.1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

خیال رکھنا پڑتا ہے کہ اس کا خاکہ اتنا تخیلی نہ ہو کہ وہ صرف ہمارے تصور میں زندہ رہ سکے اور نہ اس قدر حقیقی ہو کہ نظروں تک ہی موجود رہے، اس کی دلکشی اور حسن نہ صرف وقتی اور مقامی ہو بلکہ یہ ہر خطہ ارض اور ہر دور میں مثل تازہ گلاب نظر آئے۔ کیونکہ یہ کسی عام شخص کا عام چہرہ نہیں ہوتا جو اس کی صرف اصلی شبیہ نظر آئے بلکہ یہ وہ قلمی تصویر ہوتی ہے جس پر اس کے ظاہری رنگ وروپ کے علاوہ اس کی انفرادیت کا پرتو بھی موجود رہتا ہے۔ یعنی اس کی تصویر میں بڑی حد تک اس کی صورت جھلملاتی رہتی ہے۔ خاکے میں خارجی شخصیت کا بیان بھی ہوتا ہے لیکن اس سے کہیں زیادہ اہم داخلی شخصیت یعنی عادات واطوار، مزاج، نفسیات، پسند وناپسند وغیرہ کی تفصیل ہوتی ہے۔ تاثراتی پیرائے میں، کیف واثر سے لبریز، اعلیٰ پایہ کا انشاپرداز، حق گو، بے باک، پرخلوص اور نقاش نہیں بلکہ عکاس بھی ہو تو یہ بالکل ممکن ہے کہ ہر معمولی قلم زدہ انسان غیر معمولی بن جائے اور ہر غیر معمولی فرد معمولی ہو جائے۔

اردو ادب میں خاکہ نگاری پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے پروفیسر مغنی تبسم نے لکھا ہے کہ:

> "خاکہ نگاری اردو کی ایک مقبول صنفِ ادب ہے۔ خاکے کے لیے ویسے موضوع کی تخصیص نہیں ہے لیکن زیادہ تر خاکے ایسی شخصیتوں کے لکھے گئے ہیں جنہوں نے فنونِ لطیفہ بالخصوص ادب اور شاعری یا پھر کسی اور شعبۂ حیات میں نمایاں کارنامے انجام دیئے ہیں۔ اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ جن شخصیتوں کے کارناموں سے ہم متاثر اور مستفید ہوتے ہیں ان کی نجی زندگی کی تفصیلات جاننے کی خواہش بھی ہمارے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ جب سے تحلیل نفسی کے نظریے کو فروغ ہوا ہے۔ فنکاروں کی تخلیقات کے لاشعوری محرکات کا مطالعہ بھی ایک دلچسپ مشغلہ بن گیا ہے۔ ہر صنفِ ادب کی طرح اس کے بھی اپنے فنی تقاضے اور مسائل ہوتے ہیں، جن سے خاکہ نگار یا خاکے کا ناقد روگردانی نہیں کر سکتا۔ اردو میں خاکے تو بہت سے لکھے گئے لیکن سوائے چند ایک مضامین کے خاکے کے فن کا مبسوط انداز میں جائزہ لینے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی۔ خاکہ نگار اپنے ذوقِ سلیم کے سہارے ہی اس صنف میں طبع آزمائی کرتے رہے ہیں۔ خوش قسمتی سے اردو میں خاکہ نگاری کو پروان چڑھانے میں ایسے صاحب طرز ادیبوں نے اہم حصہ لیا جو افسانہ، انشائیہ یا مزاح نگاری کے فن پر قدرت رکھتے تھے۔ نتیجتاً خاکے کی صنف میں مختلف اصنافِ ادب کی خصوصیات یکجا ہو گئیں اور اس میں اسالیب کے تنوع کے ساتھ فنی اعتبار سے بھی خاصی وسعت پیدا ہو گئی۔"(1)

خاکہ کے ابتدائی خدوخال شعراء کے تذکروں میں ملتے ہیں۔ محمد حسین آزاد کی "آبِ حیات" میں شعراء کے جاندار خاکے پیش کیے گئے ہیں۔ بحیثیت ایک آزاد صنف کے خاکہ نگاری کا وجود بیسویں صدی میں ہوا۔ مرزا فرحت اللہ بیگ، مولوی عبدالحق، رشید احمد صدیقی، چراغ حسن حسرت، آغا حیدر، حسن دہلوی، شوکت تھانوی، عصمت چغتائی، خواجہ محمد شفیع دہلوی، مجید لاہوری، مرزا محمود بیگ، شورش کاشمیری، جوش ملیح آبادی، تخلص بھوپالی، ضیاالدین برنی، الطاف حسن قریشی، عبدالماجد دریا آبادی، اعجاز حسین، غلام السیدین، علی جواد زیدی، فکر تونسوی، رئیس احمد جعفری، اشرف صبوحی، شاہد احمد دہلوی، اوپندر ناتھ اشک، کرشن چندر، محمد طفیل، نور الحسن نقوی، شمّی رضوی، عاشق بٹالوی، نیر واسطی، مہندر ناتھ بلونت گارگی، مجتبیٰ حسین اور سعادت حسن منٹو جیسے انشاء پردازوں نے اپنے زورِ قلم سے اس صنف کو اس درجہ نکھارا ہے کہ وہ موجودہ دور میں اردو ادب کی ایک دلکش اور مقبول عام صنف بن گئی ہے۔

منٹو ایک منفرد اور بے مثال خاکہ نگار ہے جس کی تحریریں جب تک اردو ادب میں باقی رہیں گی، خاکہ اردو ادب کی ایک مقبول صنف بنا رہے گا۔ اس کے خاکوں کے دو مجموعے "گنجے فرشتے" اور "لاؤڈ سپیکر" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ منٹو کے خاکے بھی اس کی دوسری تخلیقات کی طرح اس کی کتاب زندگی کے وہ بکھرے پنے ہیں جس میں اس کی ذات سب سے نمایاں اور غالب ہے۔ اس نے کل چوبیس ادبی، صحافتی اور فلمی شخصیتوں کے خاکے لکھے ہیں جن میں قائد اعظم محمد علی جناح کی شخصیت بھی شامل ہے۔ آغا حشر کاشمیری، اختر شیرانی، چراغ حسن حسرت اور عبدالباری جیسی مقتدر ہستیاں بھی، میراجی وعصمت جیسے ہم عصر ادیب بھی اور فلمی دنیا کی کئی بڑی ہستیاں بھی لیکن ان سارے خاکوں میں سب سے نمایاں شخصیت خود منٹو کی ہے۔

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 3, No.1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

سعادت حسن منٹو اردو ادب کے ان معدودے چند ادیبوں میں شامل ہیں جنہوں نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کے ذریعے نہ صرف افسانے کی روایت کو نئی زندگی بخشی بلکہ دیگر نثری اصناف میں بھی اپنی انفرادیت کا ثبوت پیش کیا۔ان کی ادبی شخصیت کا سب سے نمایاں حوالہ افسانہ نگاری ہے، لیکن ان کی خاکہ نگاری بھی ادبی اعتبار سے غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے۔ منٹو نے اپنے معاصر ادیبوں، شاعروں، اداکاروں، فلم سازوں اور دیگر شخصیات کے ایسے خاکے تحریر کیے جن میں حقیقت نگاری، نفسیاتی تجزیے اور فنی مہارت کا منفرد امتزاج نظر آتا ہے۔

محمد علی جناح پر لکھے گئے اس کے خاکے "میرا صاحب" کا مطالعہ کریں تو ابتدائی کئی صفحات میں قائد اعظم سے متعلق جو اطلاعات بہم پہنچتی ہیں وہ محض یہ ہیں کہ۔وہ طبعاً بہت نظم پسند تھے۔ وہ بہت دبلے اور نحیف تھے۔انھیں تومند چیزیں پسند تھیں۔یہی وجہ ہے کہ اپنے لیے ملازموں کا انتخاب کرتے وقت وہ جسمانی صحت اور طاقت سب سے پہلے دیکھتے تھے مگر طبیعت کے چونکہ بے حد مضبوط اور کسرتی تھے اس لیے کسی ضعیف اور نحیف شئے کو خود سے منسوب ہونا پسند نہیں کرتے تھے۔اور وہ چیز جو انسان کو مرغوب اور پیاری ہو، اس کے بناؤ سنگار کا وہ خاص اہتمام کرتا ہے۔ چنانچہ قائد اعظم کو اپنے صحت مند اور طاقت ور ملازموں کی پوشش کا بہت خیال رہتا تھا۔ منٹو کا یہ بھی خیال ہے کہ:

> " جسم کی لاغری کا یہ احساس ہی ان کی مضبوط اور پر وجاہت زندگی کی سب سے بڑی قوت تھی۔ ان کے چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے اور بولنے سوچنے میں یہ قوت ہر وقت کار فرما رہی"۔(2)

منٹو کی شخصیت اور فن دونوں ہی روایتی حدود سے ماورا تھے۔انہوں نے ادب کو معاشرتی حقیقتوں کے اظہار کا مؤثر ذریعہ سمجھا اور زندگی کے ان پہلوؤں کو اپنی تحریروں کا موضوع بنایا جن سے اکثر ادیب گریز کرتے تھے۔ یہی رویہ ان کی خاکہ نگاری میں بھی نمایاں طور پر دکھائی دیتا ہے۔ان کے خاکے روایتی شخصیت نگاری سے مختلف ہیں کیونکہ وہ شخصیات کی ظاہری خوبیوں کی تعریف کرنے کے بجائے ان کے داخلی تضادات، نفسیاتی پیچیدگیوں اور سماجی رویوں کو نمایاں کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک انسان ایک پیچیدہ وجود ہے جسے محض ظاہری مشاہدے کی بنیاد پر نہیں سمجھا جا سکتا۔

منٹو کے خاکوں کی ایک اہم خصوصیت ان کی بے باکی ہے۔انہوں نے کسی شخصیت کو مثالی اور کامل بنا کر پیش کرنے کے بجائے اس کی اصل صورت کو بیان کرنے کی کوشش کی۔ان کے ہاں شخصیت کے مثبت اور منفی دونوں پہلو یکساں اہمیت رکھتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ان کے خاکوں میں حقیقت کا عنصر اس قدر غالب ہے کہ قاری ان شخصیات کو ایک زندہ کردار کے طور پر محسوس کرتا ہے۔ان کی تحریروں میں مصنوعی پن، مبالغہ آرائی اور جذباتی تصنع کا فقدان نظر آتا ہے۔

منٹو کی خاکہ نگاری کا ایک اہم پہلو ان کا نفسیاتی شعور ہے۔انہوں نے انسانی شخصیت کا مطالعہ محض سماجی تناظر میں نہیں کیا بلکہ اس کے نفسیاتی محرکات کو بھی سمجھنے کی کوشش کی۔ان کے خاکوں میں کرداروں کی نفسیاتی کشمکش، احساسِ محرومی، ذہنی انتشار، خود پسندی، محبت اور نفرت جیسے جذبات کی بھرپور عکاسی ملتی ہے۔یہی نفسیاتی بصیرت ان کے خاکوں کو دیگر ادیبوں کی تحریروں سے ممتاز کرتی ہے۔ منٹو کی زندگی کا طویل عرصہ فلمی ستاروں کی جھرمٹ میں گزرا۔اس نے ایک مدت تک میک اپ کی دبیز تہوں میں چھپے چہروں کی جھریاں دیکھیں۔مردوں کے فریب اور عورتوں کی بے وفائیاں دیکھیں۔عورتوں کو بیڈ شیٹ جان کر ہمیشہ بدلنے والے مرد اور مردوں کو جوتی کی نوک پر رکھنے والی عورتیں ان خاکوں میں چلتی پھرتی نظر آتی ہیں۔یہ برے مرد اور بری عورتیں منٹو کے دلکش اسلوب میں نکھر کر اس طرح جلوہ افروز ہوتے ہیں کہ اپنی خامیوں اور کمزوریوں کے باوجود بھلے معلوم ہوتے ہیں۔"اشوک کمار"، "پارو دیوی"، "پر اسرار نینا"، "پری چہرہ نسیم بانو"، "رفیق غزنوی"، "ستارہ"، "کشت زعفران"، "کے کے"، "مورلی کی دھن"، "نرگس"، "نواب کاشمیری"، "نور جہاں سرور جہاں" جیسے خاکوں میں ایسے کرداروں کو دیکھا جا سکتا ہے۔ فلم اداکار اشوک کمار، شیام اور نور جہاں، ستارہ دیوی، پری چہرہ نسیم، پارو دیوی، نرگس اور جدن بائی کے بارے میں جو نئی تفصیلات منٹو نے پیش کی ہیں، وہ کافی دلچسپ ہیں۔ منٹو نے ان کرداروں کی ایک ویڈیو فلم بنائی ہے جس میں یہ سب کردار بغیر میک اپ کے اپنے اپنے کردار ادا کرتے نظر آتے ہیں۔اور فلم کا ہدایت کار انھیں ہدایت دینے کے بجائے ان سب کرداروں کی حرکات وسکنات کو قلم بند کر کے کہانیاں مرتب کرنے میں منہمک ہے۔مذکورہ خاکے ایسی چھوٹی چھوٹی فلمیں ہیں جن کی شوٹنگ پہلے ہوئی ہے اور کہانیاں بعد میں لکھی گئی ہیں۔خاکہ نگار منٹو نے آغا حشر کاشمیری، اشوک کمار، شیام، رفیق غزنوی، کے آصف، نذیر، ڈیسائی، ستارہ دیوی، پری چہرہ نسیم، نور جہاں اور نرگس کی شخصیات وعادات کے ایسے پہلوؤں سے متعارف کرایا ہے جن سے اکثر قاری واقف نہیں ہیں۔

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 3, No.1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

دراصل منٹو جیسا کہ کہا جاتا ہے، ایک بے درد واقعہ نگار ہے۔ اس کے اندر ایک بڑا ہی دقیانوسی قسم کا اخلاق زدہ محتسب چھپا ہوا ہے۔ وہ سماج میں کسی طرح کی انارکی برداشت نہیں کر سکتا۔ وہ اندھا دھند، ان پر وار کرتا ہے اور پھر فلمی دنیا جس سے ان میں سے زیادہ تر خاکے متعلق ہیں وہ تو بقول وارث علوی ایک مادر پدر آزاد دنیا تھی، وہاں کی زندگی کے مرقعے پیش کرنا اور وہ بھی اس طرح کہ پڑھنے والے کا انسانیت پر سے ایمان نہ اٹھ جائے۔ آسان کام نہیں تھا۔ وارث علوی لکھتے ہیں:

> "دراصل فلمی دنیا کی جنسی انارکی یا مادر پدر آزاد جنسی تعلقات کی صحافتی رپورٹنگ تو آسان ہے کیونکہ صحافت خصوصاً فلمی صحافت میں حمایت اور موافقت میں لکھنا، طنز و ظرافت سے کام لینا، اسکینڈل بیان کرنا، منہ پر کالک ملنا، کردار کا قتل کرنا، حقائق کو چھپانا یا انھیں توڑ مروڑ کر پیش کرنا، امیج بنانا یا امیج توڑنا، بانس پر چڑھانا یا شہرت کو خاک میں ملانا بہت آسان ہے۔ "مصور" کی ادارت کے دوران اپنے فلمی کالموں میں منٹو ایسا کیا بھی کرتا تھا جیسا کہ ستارہ پرا سکیچ میں ایک دو جگہ اپنی ایسی حرکتوں کا اقبال کیا بھی ہے لیکن زیرِ نظر خاکوں میں اگر یہی صحافتی رویے بروئے کار ہوتے تو شاید اس کے مضامین کی مانند یہ خاکے بھی اپنی کشش کھو چکے ہوتے۔ لیکن منٹو کا ذہن ہر نوع کی اخلاقی تنگ نظری سے پاک تھا۔ لوگوں سے ملتے وقت اسے خیال بھی نہ آتا تھا کہ فلاں کی ماں طوائف تھی یا فلاں نے طوائف سے شادی کی تھی۔ دراصل وہ سمجھ ہی نہیں پاتا تھا کہ ان باتوں سے فرق کیا پڑتا ہے۔ عورتوں اور مردوں کے جنسی تعلقات بھی اسے پریشان نہیں کرتے تھے۔ فلمی دنیا میں ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ وہ ہر نوع کی بداخلاقی کو درگزر کرتا تھا۔ دھوکا، فریب، بے وفائی، لُچّی، چال بازی کو وہ پست حرکات سمجھتا تھا، لیکن ان پر چراغ پا ہونا، آپے سے باہر ہونا، خود کو نفرت و حقارت سے بھر لینا اس کا شیوہ نہیں تھا۔ ایسا کرنا آدمی میں اپنی دلچسپی کو ختم کرنا یعنی اپنی خاکہ نویسی کا گلا گھونٹنا ہے۔ ناپسندیدہ کرداروں پر بھی نظم وضبط سے قلم اٹھانا صحیح فنکارانہ رویہ ہے جو اپنی اخلاقی خفگی کو مناسب حدود میں رکھنے سے پیدا ہوتا ہے۔"(3)

منٹو کا ایک وصف اور ہے کہ شراب میں اس طرح ڈوبے رہنے کے باوجود منٹو نے اپنی بیشتر تخلیقات میں دانش مندی کی بات کی ہے۔ اور فن کو بھی معراج عطا کی ہے۔ اور اس کے فن کی یہ معراج افسانے ہی میں نہیں اس کے خاکوں میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ منٹو جتنے دن بھی جیا ادب کے لیے جیا۔ پینا اس کا شغل تھا اور ادب اس کی حیات۔ وہ پیتا تھا اور لکھتا تھا، لکھتا تھا اور پیتا تھا۔ لیکن بہکتا نہیں تھا۔ اسی لیے نشے میں بھی وہ ادب اور دانش کی باتیں کر گیا۔ عصمت چغتائی نے منٹو کا خاکہ لکھتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے کہ:

> "یہ مجھے کبھی نہ معلوم ہو سکا کہ منٹو پی کر بہکتا ہے یا بہک کر پیتا ہے۔ میں نے اس کی چال میں لڑکھڑاہٹ یا زبان میں لکنت نہ پائی۔ مجھے تو کبھی کوئی فرق ہی نہیں محسوس ہوا۔ ہاں بس اتنا معلوم ہوتا تھا کہ جب زیادہ پی ہے ہوتو یہ یقین دلانے کی کوشش کرتا تھا کہ وہ بالکل نشہ میں نہیں۔۔۔"(4)

گویا ادب اس کی روح تھی اور شراب اس روح کی غذا۔ اس کا جسم مٹ چکا تھا یا جسم بھی روح بن چکا تھا۔ اس میں ڈوب کر اسے انسانی اقدار، سماجی قدریں اور اخلاقی محاسن کا شدت سے احساس و ادراک ہوتا تھا۔ اور جب اس کیفیت میں وہ سماج پر، سماج کے افراد پر، افراد کے اطوار پر نظر ڈالتا تھا تو اسے برائیاں ہی برائیاں نظر آتی تھیں۔ اور پھر اس کا قلم چل پڑتا تھا۔ اور جب قلم چلتا تھا تو سماج اور انسانی برائیوں کی سختی سے گرفت کرتا تھا۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ منٹو اپنے خاکوں میں بھی فرد کی کمزوریوں اور کج رویوں کی ہی گرفت کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ منٹو نے خاکہ نگاری کے اصول توڑ ڈالے اور اپنے لیے ایک نیا اصول وضع کیا۔ اس نے اپنے خاکوں میں ممدوح کی مدح سرائی نہیں بلکہ ممکن ہوا تو ہجو ہی کر ڈالی۔ حالانکہ بیشتر خاکے اس نے اپنے قریبی لوگوں پر ہی لکھے جنہیں وہ اچھی طرح جانتا اور سمجھتا تھا۔ ظاہری بات ہے خاکے اسی شخص کے بہتر طور پر لکھے جا سکتے ہیں جس سے خاکہ نگار بھرپور طور پر واقف ہو۔ منٹو اپنے خاکے کے کرداروں سے پوری طرح واقف ہے لیکن منٹو کی جودت طبع ان

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 3, No.1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

کرداروں کے خط وخال نہیں دیکھتی بلکہ ان 'فرشتہ صفت' کرداروں کے اندرون میں چھپی انسانی کمزوریوں تک پہنچتی ہے اور انہیں پکڑ کر باہر لاتی ہے۔ منٹو کے خاکوں کے ایک مجموعے کا نام "گنجے فرشتے" ہے۔ اس مجموعے کے خاکوں میں شامل اشخاص، جو بظاہر فرشتے ہیں، منٹو ان کا مونڈن کرتا ہے اور انھیں گنجا بنا دیتا ہے۔ اس اعتبار سے یہ عنوان یعنی "گنجے فرشتے" معنویت کا حامل ہے اور اس سے منٹو کی شوخ طبیعت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ منٹو کو اس بات کا پورا احساس تھا کہ وہ کیا کرنے جا رہا ہے اس لیے اس نے اس کا برملا اظہار بھی کر دیا کہ:

> "میرے اصلاح خانے میں کوئی شانہ نہیں، کوئی شیمپو نہیں، کوئی گھنگھرو پیدا کرنے والی مشین نہیں۔ میں بناؤ سنگھار کرنا نہیں جانتا۔ آغا حشر کی بھینگی آنکھ مجھ سے سیدھی نہیں ہو سکی۔ اس کے منہ سے گالیوں کی بجائے، میں پھول نہیں جھڑا سکا۔ میرا جی کی ضلالت پر مجھ سے استری نہیں ہو سکی اور نہ میں اپنے دوست شیام کو مجبور کر سکا ہوں کہ وہ برخود غلط عورتوں کو گالیاں نہ کہے۔ اس کتاب میں جو فرشتہ بھی آیا ہے، اس کا مونڈن ہوا ہے اور یہ رسم میں نے بڑے سلیقے سے ادا کی ہے۔"(5)

سعادت حسن منٹو کی خاکہ نگاری کا سب سے نمایاں اور منفرد پہلو انسانی شخصیت کا نفسیاتی مطالعہ ہے۔ منٹو نے اپنے خاکوں میں شخصیات کے صرف ظاہری خدوخال اور سماجی حیثیت کو بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کے باطن میں پوشیدہ احساسات، ذہنی کشمکش، نفسیاتی الجھنوں اور کردار کے پوشیدہ محرکات کو بھی نمایاں کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے خاکے محض شخصی تعارف نہیں بلکہ انسانی نفسیات کے عمیق مطالعے کی بہترین مثال سمجھے جاتے ہیں۔

نفسیاتی تجزیے کا بنیادی مقصد انسانی رویوں اور کردار کے پس منظر میں موجود ذہنی عوامل کو سمجھنا ہے۔ منٹو اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ انسان کے ظاہری اعمال اور رویوں کے پیچھے متعدد نفسیاتی محرکات کارفرما ہوتے ہیں۔ اسی لیے انہوں نے اپنی خاکہ نگاری میں شخصیات کے ان پہلوؤں کو دریافت کرنے کی کوشش کی جو عام مشاہدے کی سطح پر نمایاں نہیں ہوتے۔ ان کے نزدیک کسی شخصیت کو سمجھنے کے لیے اس کے ذہنی رویوں، جذباتی کیفیت اور نفسیاتی ساخت کا مطالعہ ناگزیر ہے۔

منٹو کے خاکوں میں شخصیت کے داخلی تضادات کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ وہ انسان کو ایک ایسی ہستی کے طور پر دیکھتے ہیں جو بیک وقت مختلف اور متضاد جذبات کا مجموعہ ہوتی ہے۔ ان کے نزدیک کوئی بھی انسان مکمل طور پر اچھا یا برا نہیں ہوتا بلکہ اس کی شخصیت مختلف نفسیاتی عوامل کے امتزاج سے تشکیل پاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے خاکوں میں کرداروں کی پیچیدگی، غیر یقینی کیفیت اور ذہنی کشمکش نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔

منٹو نے اپنی خاکہ نگاری میں انسانی کمزوریوں کو بھی بڑی بے باکی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ انہوں نے معاشرے کی نامور شخصیات کو مثالی کرداروں کے طور پر پیش کرنے کے بجائے ان کی کمزوریوں، محرومیوں اور نفسیاتی مسائل کو بھی موضوع بنایا ہے۔ ان کے نزدیک شخصیت کی اصل شناخت اس کی کمزوریوں اور نفسیاتی رویوں کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ یہی نقطۂ نظر ان کے خاکوں کو روایتی خاکہ نگاری سے ممتاز بناتا ہے۔

انسانی احساسِ محرومی منٹو کے نفسیاتی مطالعے کا ایک اہم عنصر ہے۔ ان کے متعدد خاکوں میں ایسے کردار سامنے آتے ہیں جو کسی نہ کسی محرومی کا شکار ہوتے ہیں۔ یہ محرومی معاشی، سماجی یا جذباتی نوعیت کی ہو سکتی ہے۔ منٹو نے ان احساسات کو نہایت حقیقت پسندانہ انداز میں بیان کیا ہے۔ ان کے نزدیک احساسِ محرومی انسان کے رویوں اور فیصلوں کو گہرے طور پر متاثر کرتا ہے اور بعض اوقات یہی محرومی شخصیت کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔

منٹو کے خاکوں میں احساسِ برتری اور احساسِ کمتری کی کشمکش بھی واضح طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔ بعض شخصیات اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے خود کو دوسروں سے ممتاز سمجھتی ہیں، جب کہ بعض کردار اپنی ناکامیوں اور محرومیوں کی وجہ سے احساسِ کمتری کا شکار نظر آتے ہیں۔ منٹو نے ان نفسیاتی رویوں کو بڑی باریک بینی کے ساتھ پیش کیا ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ انسانی شخصیت مختلف داخلی اور خارجی عوامل کے زیر اثر مسلسل تبدیلی کے مراحل سے گزرتی رہتی ہے۔

ان کی خاکہ نگاری میں لاشعوری محرکات کی نشاندہی بھی ایک اہم پہلو ہے۔ انہوں نے اپنے کرداروں کے ایسے رویوں کی وضاحت کی ہے جو بظاہر غیر منطقی محسوس ہوتے ہیں، لیکن ان کے پیچھے موجود نفسیاتی عوامل ان رویوں کی حقیقی وجوہات کو آشکار کرتے ہیں۔ یہ رجحان اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ منٹو انسانی شخصیت کے مطالعے میں نفسیاتی نظریات سے کسی نہ کسی حد تک متاثر تھے۔

فلمی دنیا سے وابستگی نے بھی منٹو کے نفسیاتی مشاہدے کو وسعت دی۔ فلمی ماحول میں مختلف مزاجوں اور متنوع شخصیات کے ساتھ ان کی قربت نے انہیں انسانی نفسیات کو قریب سے سمجھنے کا موقع فراہم کیا۔ انہوں نے اداکاروں، ہدایت کاروں اور ادیبوں کے خاکوں میں ان کے باطن کو دریافت کرنے کی کوشش کی اور ان کے نفسیاتی رویوں کو نہایت مؤثر انداز میں بیان کیا۔

منٹو کے خاکوں میں طنز کو بھی نفسیاتی تجزیے کے ایک مؤثر وسیلے کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ ان کا طنز محض تفریح کے لیے نہیں بلکہ شخصیت کے اندر موجود تضادات کو نمایاں کرنے کا ایک فنی ذریعہ ہے۔ وہ طنز کے ذریعے کردار کے ان پہلوؤں کو آشکار کرتے ہیں جو براہِ راست بیان کرنے سے شاید اپنی تاثیر کھو دیتے۔ اس طرح ان کی تحریروں میں طنز اور نفسیاتی تجزیہ ایک دوسرے کے ساتھ مربوط نظر آتے ہیں۔

منٹو کی خاکہ نگاری میں مشاہدے کی قوت غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے۔ وہ کسی شخصیت کی گفتگو، حرکات و سکنات، طرزِ لباس اور روزمرہ کے معمولات سے اس کی نفسیاتی کیفیت کا اندازہ لگاتے ہیں۔ ان کا یہی مشاہداتی انداز ان کے خاکوں کو حقیقت کے زیادہ قریب لے آتا ہے۔ وہ بظاہر معمولی واقعات سے شخصیت کے ایسے پہلو دریافت کرتے ہیں جو اس کے باطن کی ترجمانی کرتے ہیں۔

انسانی تنہائی بھی منٹو کے نفسیاتی مطالعے کا ایک اہم موضوع ہے۔ ان کے بہت سے خاکوں میں شخصیات اپنی شہرت اور کامیابی کے باوجود ذہنی تنہائی کا شکار نظر آتی ہیں۔ منٹو نے اس تنہائی کو صرف ایک سماجی مسئلہ قرار نہیں دیا بلکہ اسے انسانی وجود کے ایک بنیادی مسئلے کے طور پر پیش کیا ہے۔ ان کے نزدیک انسان کی داخلی تنہائی اس کے رویوں اور نفسیاتی کیفیات کو گہرے طور پر متاثر کرتی ہے۔ حسن عسکری نے منٹو کے بارے میں کہا تھا کہ:

> " منٹو بڑی خوفناک چیز تھا۔ وہ ایک بغیر جسم کے روح بن کر رہ گیا تھا...... منٹو سوچتا تو احساسات اور جسمانی افعال کے ذریعہ ہی تھا لیکن یہ چیز وہ تھی جس کے متعلق اسپین کے صوفیوں نے کہا ہے کہ جسم کی بھی ایک روح ہوتی ہے۔ یہ روح منٹو نے پالی تھی۔"(6)

بہر حال منٹو کی چھٹی حس وہ سب کچھ دیکھتی ہے اور اپنے قاری کو دکھانا چاہتی ہے جو عام نظروں سے پوشیدہ ہے۔ منٹو حقائق کو افسانوی رنگ دے کر پیش کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کے خاکوں میں کہانی پن کے ساتھ دلچسپی بھی پیدا ہو گئی ہے۔ وہ اپنے کرداروں کے خدوخال کو نمایاں کرنے کے لیے کہانی بھی گھڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض ناقدین اس کے خاکوں میں پیش کیے گئے تمام حقائق سے اتفاق نہیں کرتے بلکہ اسے سراسر منٹو کی اختراع تصور کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ منٹو کو قریب سے جاننے والے اس بات کے قائل ہیں کہ منٹو اپنے سینے میں ایک دردمند دل بھی رکھتا تھا۔ دور جانے کی ضرورت نہیں خود کرشن چندر نے منٹو کا خاکہ لکھتے ہوئے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ منٹو اپنے دل میں بشری محبت رکھتا ہے لیکن اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ کرشن چندر کے لفظوں میں:

> "وہ ہزار بار کہتا ہے مجھے انسانوں سے محبت نہیں۔ وہ کہے گا مجھے دوستی، عنایت، شفقت کسی پر اعتبار نہیں۔ میرا اعتقاد شراب ہے۔ وہ یہ سب باتیں کہتا ہے تکلفاً کبھی آپ کا جی جلانے کے لیے، منہ چڑھانے کے لیے، اپنے آپ کو دھوکا دینے کے لیے بھی۔ وہ سب باتیں کہتا ہے لیکن اس کی آنکھیں کچھ اور کہتی ہیں۔ اس کا قلم کچھ اور کہتا ہے اور ہماری خوش قسمتی ہے کہ اس کی زبان کی طرح اس کا قلم اس کے قابو میں نہیں۔ وہ اپنی انسانی ہمدردی، اپنی ترقی پسندی، اپنی بشری محبت پر پردہ ڈالنے کی ہزار کوشش کرتا ہے۔ لیکن اس کا قلم اس کے قابو میں نہیں ہے اور ہر افسانے کے پس پردہ انسانی محبت ابل پڑتی ہے۔"(7)

سعادت حسن منٹو کی خاکہ نگاری اردو ادب میں حقیقت نگاری کی ایک منفرد مثال ہے۔ انہوں نے اپنے خاکوں میں زندگی اور انسانی شخصیت کو اس کی اصل صورت میں پیش کرنے کی کوشش کی۔ منٹو کے نزدیک ادب کا بنیادی مقصد زندگی کی حقیقی تصویر کشی ہے، اس لیے انہوں نے اپنے فن میں تصنع، مبالغے اور مصنوعی جذبات کے بجائے حقیقت کو بنیادی حیثیت دی۔ ان کی خاکہ نگاری میں حقیقت نگاری، ہمدردی اور جذبات تین ایسے عناصر ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہو کر انسانی شخصیت کی مکمل تصویر پیش کرتے ہیں۔

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 3, No.1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

حقیقت نگاری منٹو کے ادبی نظریے کا بنیادی ستون ہے۔ ان کا یہ یقین تھا کہ ادب کو معاشرے کے ان پہلوؤں کی عکاسی کرنی چاہیے جنہیں عموماً نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے خاکوں میں شخصیات کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ ان کی خامیوں کو بھی نمایاں کیا۔ انہوں نے نہ تو کسی شخصیت کو غیر معمولی تقدس عطا کیا اور نہ ہی اسے محض خامیوں کا مجموعہ قرار دیا، بلکہ ہر شخصیت کو ایک عام انسان کے طور پر پیش کیا جس میں خوبیاں اور خامیاں دونوں موجود ہیں۔

منٹو کی حقیقت نگاری کا ایک اہم پہلو ان کا غیر جانب دارانہ انداز ہے۔ وہ کسی شخصیت کے بارے میں پہلے سے قائم شدہ تصورات کو قبول نہیں کرتے بلکہ اپنے مشاہدات اور تجربات کی بنیاد پر اس کی تصویر پیش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے خاکے رسمی تعریف اور روایتی مدح سرائی سے مختلف نظر آتے ہیں۔ ان کے ہاں شخصیت کے حقیقی خدوخال زیادہ نمایاں ہوتے ہیں۔

ان کے خاکوں میں حقیقت نگاری کا ایک اور پہلو جزئیات نگاری ہے۔ وہ کسی شخصیت کی حرکات و سکنات، اندازِ گفتگو، لباس، عادات اور روزمرہ کے معمولات کو اس انداز سے بیان کرتے ہیں کہ قاری کے ذہن میں اس شخصیت کی ایک واضح تصویر تشکیل پانے لگتی ہے۔ یہ فنی مہارت ان کے خاکوں کو حقیقت کے زیادہ قریب لے آتی ہے۔

اگرچہ منٹو کو اکثر ایک تلخ حقیقت پسند ادیب کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، لیکن ان کی تحریروں میں انسانی ہمدردی کا جذبہ بھی نمایاں طور پر موجود ہے۔ ان کے نزدیک انسان اپنی تمام تر کمزوریوں کے باوجود توجہ اور ہمدردی کا مستحق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے خاکوں میں شخصیات کی خامیوں کو بیان کرتے ہوئے بھی ان کے ساتھ ایک جذباتی تعلق برقرار رکھتے ہیں۔

منٹو کی ہمدردی کا تصور محض ترحم تک محدود نہیں بلکہ یہ انسانی وقار کے احترام سے عبارت ہے۔ وہ ان افراد کے ساتھ بھی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں جنہیں معاشرہ کمتر سمجھتا ہے۔ ان کے خاکوں میں انسان کی سماجی حیثیت سے زیادہ اس کی داخلی کیفیت کو اہمیت حاصل ہے۔ یہی انسانی رویہ ان کے فن کو ایک منفرد اخلاقی جہت عطا کرتا ہے۔

انسانی جذبات کی عکاسی منٹو کی خاکہ نگاری کا ایک اہم پہلو ہے۔ انہوں نے محبت، نفرت، خوف، تنہائی، محرومی، حسرت اور بے بسی جیسے جذبات کو نہایت مؤثر انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کے نزدیک انسانی شخصیت کو سمجھنے کے لیے اس کے جذباتی رویوں کا مطالعہ ضروری ہے۔ اسی لیے ان کے خاکوں میں جذبات محض ایک اضافی عنصر نہیں بلکہ شخصیت کی تشکیل کا بنیادی حصہ ہیں۔

منٹو کے خاکوں میں جذبات کا اظہار مصنوعی انداز میں نہیں ہوتا بلکہ یہ کرداروں کے رویوں اور طرزِ عمل کے ذریعے سامنے آتا ہے۔ وہ جذباتی کیفیت کو بیان کرنے کے لیے مبالغہ آرائی سے گریز کرتے ہیں اور حقیقت پسندانہ انداز اختیار کرتے ہیں۔ یہی فنی مہارت ان کے خاکوں کو زیادہ مؤثر بناتی ہے۔

انسانی تنہائی اور احساسِ محرومی بھی منٹو کے ہاں جذباتی اظہار کی اہم صورتیں ہیں۔ ان کے متعدد خاکوں میں ایسی شخصیات دکھائی دیتی ہیں جو ظاہری کامیابی کے باوجود ذہنی اور جذباتی طور پر تنہائی کا شکار ہیں۔ منٹو نے ان کی داخلی بے چینی اور نفسیاتی اضطراب کو نہایت گہرائی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ منٹو پر لکھتے ہوئے کئی اور قلم کاروں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ منٹو ایک جذبات سے بھرا دل رکھتا تھا لیکن ہر وقت اس کی پردہ داری کرنا چاہتا تھا۔ حتیٰ کہ اپنے خاکوں میں بھی وہ اسی عمل سے گزرتا ہوا نظر آتا ہے۔ سید عابد علی عابد لکھتے ہیں:

> "منٹو نے دوستی کو دشمنی کا سارنگ دے دیا ہے۔ ریاکاری کی یہ عجیب و غریب شکل ہے۔ لوگ مصلحت کو مدنظر رکھ کر دشمن کو بھی دوست کہتے ہیں۔ منٹو دوست کے گن بھی حسب دل خواہ نہیں گاتا تاکہ لوگ اس کی اس کمزوری پر مطلع نہ ہو جائیں کہ وہ جذباتی قسم کا آدمی ہے اور دوستوں کے تمام عیوب معاف کر دینے پر قادر ہے۔(8)

عابد علی کے ان جملوں سے جہاں منٹو کی بشری ہمدردی کا احساس ہوتا ہے وہیں یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ منٹو نے اپنے خاکوں میں اپنے دوستوں کی مدح سرائی نہیں کی ہے بلکہ انھیں واضح لفظوں میں کہیں تو "بے نقاب" کیا ہے۔ منٹو کے خاکوں سے ایک دو مثالیں دیکھیں جس سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جائے گی۔

عبدالباری صاحب منٹو کے وہ محسن تھے جس نے منٹو کو ادب کی راہ پر ڈالا۔ ان کا خاکہ لکھتے ہوئے منٹو کا قلم کچھ اس انداز سے چلتا ہے:

"ہم پی رہے تھے تو حسن عباس نے چھیڑنے کی خاطر باری صاحب سے کہا: آپ کی یہاں سب لوگ عزت کرتے ہیں۔ بی بی جان آپ کو نمازی اور پرہیز گار کی حیثیت سے جانتی ہیں۔ ان کے دل میں آپ کا اتنا احترام ہے۔ اگر وہ یہاں آجائیں تو کیا ہو؟" باری صاحب نے کہا: "میں کھڑکی کھول کر باہر کود جاؤں گا اور پھر کبھی ان کو اپنی شکل نہیں دکھاؤں گا۔" باری صاحب ہمیشہ اپنی زندگی کی کوئی نہ کوئی کھڑکی کھول کر باہر کود جاتے رہے۔ یہ کھڑکی کھلی رہتی۔ مگر وہ پھر کبھی اس کو اپنی شکل نہ دکھاتے۔"(9)

فلمی دنیا سے وابستگی نے بھی ان کی حقیقت نگاری اور جذباتی شعور کو متاثر کیا۔ انہوں نے فلمی شخصیات کے خاکوں میں ان کی شہرت کے پس منظر میں موجود جذباتی مسائل اور نفسیاتی کشمکش کو اجاگر کیا۔ اس طرح ان کے خاکے صرف شخصیات کا تعارف نہیں بلکہ انسانی زندگی کی پیچیدگیوں کا آئینہ بن جاتے ہیں۔

منٹو کی حقیقت نگاری کا مقصد محض تلخ حقائق کو بیان کرنا نہیں تھا بلکہ وہ انسان کو اس کی حقیقی صورت میں پیش کرنا چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریروں میں حقیقت کے ساتھ ساتھ انسان دوستی اور ہمدردی کا جذبہ بھی نمایاں نظر آتا ہے۔ ان کے ہاں حقیقت نگاری اور ہمدردی ایک دوسرے کی ضد نہیں بلکہ ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہیں۔

عصمت چغتائی سے منٹو کی بڑی قربت رہی۔ مختلف موضوعات پر دونوں میں اکثر بحثیں ہوتیں۔ دونوں اپنی ضد پر اڑنے والے تھے۔ عصمت نے منٹو کا جو خاکہ لکھا اس سے بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے اور منٹو نے عصمت کا جو مرقع تیار کیا ہے اس میں بھی دونوں اپنی اپنی ضد پر قائم نظر آتے ہیں۔ عصمت پر لکھے خاکے سے دونوں کی شبیہہ ایک ضد ہی کی ابھرتی ہے۔ یہ خاکہ افسانوی انداز میں شروع ہوتا ہے۔ منٹو کہانی گھڑتا ہے کہ اگر منٹو اور عصمت کی شادی ہو جاتی تو کیا ہوتا؟ لیکن خاکوں میں ابھرنے والی اس "ضد" سے پرے دونوں میں گہری دوستی تھی۔ منٹو عمر بھر 'عصمت بہن' کہتا رہا۔ یہ تمام باتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ تخلیقی سوچ اور فکری سطح پر دونوں میں بڑی موافقت تھی۔ مگر منٹو جب عصمت کا خاکہ کھینچنے بیٹھتا ہے تو اس کا کھلنڈرا پن، اس کی شوخی اور اس کی طراری عود کر آتی ہے۔ یہ اقتباس دیکھیں:

"عصمت کے چہرے پر وہی سمٹا ہوا حجاب نظر آیا جو عام گھریلو لڑکیوں کے چہرے پر ناگفتنی شے کا نام سن کر نمودار ہوا کرتا ہے۔ مجھے ناامیدی ہوئی اس لیے کہ میں 'لحاف' کے تمام جزئیات کے متعلق اس سے باتیں کرنا چاہتا تھا۔ عصمت چلی گئی تو میں نے دل میں کہا یہ تو کم بخت بالکل عورت نکلی۔"(10)

آغا حشر کاشمیری کے بارے میں منٹو لکھتا ہے:

"تھوڑی دیر کے بعد سیڑھیوں کی جانب سے ہلکی سی مہک آئی پھر سرسراہٹیں سنائی دیں۔ آغا صاحب کا چہرہ بشاش ہو گیا، مختار جو ہرگز ہرگز حسین نہیں تھی خوش وضع کپڑوں میں ملبوس صحن میں داخل ہوئی۔ آغا صاحب اور حاضرین کو تسلیمات عرض کی اور اندر کمرے میں چلی گئی۔ آغا صاحب کی آنکھیں وہاں تک چھوڑنے گئیں۔۔۔۔۔۔ معافی چاہتا ہوں۔ اندر ایک معشوق میرا انتظار کر رہا ہے"۔(11)

ایک مثال اور دیکھیں۔ معروف اداکار اشوک کمار سے منٹو کے گہرے مراسم تھے۔ اشوک کمار راز کی باتیں بھی منٹو کو بتا دیا کرتے تھے۔ منٹو نے جب "پارو دیوی" کا خاکہ لکھا تو اشوک کمار کے ایک راز کی بات طشت از بام کر دی۔ پارو دیوی اشوک کمار کو چاہتی تھی۔ ایک روز اس نے اشوک کمار کو اکیلے آنے کو کہا۔ اور جب اشوک کمار پارو دیوی کے فلیٹ پر پہنچے تو جو کچھ ہوا اس کی تفصیل منٹو کے خاکے میں اشوک کمار کی زبانی سنیے:

"میں بڑا ڈرپوک ہوں۔ جانے مجھے ایسے موقعوں پر کیا ہو جاتا ہے۔ اس نے (پارو دیوی) مجھے صوفے پر بٹھایا۔ آپ قالین پر میرے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔ دو پیگ مجھے پلائے۔ خود بھی تھوڑی سی پی اور پھر ۔۔۔۔۔ پھر وہ لگی اپنی محبت دکھانے ۔۔۔۔۔ میں سنتا رہا اور کانپتا رہا۔ جب اس نے میرا ہاتھ دبایا تو میں نے اسے بڑے زور سے جھٹک دیا۔۔۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے لیکن فوراً کہیں غائب ہو

گئے۔۔۔وہ مسکرانے لگی۔۔۔ بھیااشوک! میں تو آپ کا امتحان لے رہی تھی۔۔۔۔میں نے یہ سنا تو چکرا گیا۔ اٹھا تو اس نے پھر کہا، اشوک صاحب! میں تو آپ کو اپنا بھائی سمجھتی ہوں۔ میں نے کچھ نہ کہا اور نیچے اتر گیا۔۔۔۔کار میں بیٹھا۔۔۔۔گھر پہنچ کر میں نے آدھا پیگ پی کر سوچا تو مجھے بڑا افسوس ہوا!" کیا ہرج تھا اگر میں "۔۔۔۔۔اشوک کے لہجے میں تاسف تھا۔ میں نے کہا" ہاں کوئی حرج نہیں تھا۔"اشوک کے لہجے میں تاسف اور زیادہ ہو گیا۔"۔۔۔اور۔۔۔ مجھے وہ پسند بھی تھی۔"(12)

سعادت حسن منٹو کی خاکہ نگاری کا مطالعہ اس حقیقت کو نمایاں کرتا ہے کہ انہوں نے اردو ادب میں اس صنف کو ایک نئی فکری اور فنی جہت عطا کی۔ اگرچہ منٹو بنیادی طور پر ایک افسانہ نگار کے طور پر شہرت رکھتے ہیں، لیکن ان کی خاکہ نگاری بھی اپنی انفرادیت، حقیقت پسندی اور فکری گہرائی کے باعث غیر معمولی ادبی اہمیت کی حامل ہے۔ انہوں نے اپنے خاکوں میں محض شخصیات کا تعارف پیش نہیں کیا بلکہ انسانی کردار کے پوشیدہ پہلوؤں کو بے نقاب کرتے ہوئے ان کے نفسیاتی، سماجی اور جذباتی رویوں کا باریک بینی سے جائزہ لیا۔

منٹو کی خاکہ نگاری کی سب سے نمایاں خصوصیت ان کی حقیقت نگاری ہے۔ انہوں نے شخصیت نگاری کے روایتی انداز سے ہٹ کر انسان کو اس کی حقیقی صورت میں پیش کیا۔ ان کے نزدیک کسی شخصیت کی محض خوبیوں کو بیان کرنا ادبی دیانت کے منافی تھا، اس لیے انہوں نے شخصیات کی خامیوں اور کمزوریوں کو بھی غیر جانب دارانہ انداز میں پیش کیا۔ یہی حقیقت پسندی ان کے خاکوں کو محض تعریفی مضامین سے الگ کرتی ہے اور انہیں ایک منفرد ادبی مقام عطا کرتی ہے۔

ان کی تحریروں میں انسانی ہمدردی کا جذبہ بھی نمایاں طور پر موجود ہے۔ اگرچہ ان کے اسلوب میں بے باکی اور تلخی پائی جاتی ہے، لیکن ان کے مطالعۂ انسان میں محبت اور ہمدردی کا ایک گہرا احساس بھی کار فرما نظر آتا ہے۔ وہ معاشرے کے ان طبقات اور شخصیات کے ساتھ بھی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں جنھیں اکثر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ ان کے نزدیک ہر انسان اپنی تمام تر کمزوریوں کے باوجود احترام اور توجہ کا مستحق ہے۔

منٹو کی خاکہ نگاری میں جذبات اور نفسیاتی تجزیے کی اہمیت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے شخصیات کے ظاہری رویوں کے پس منظر میں موجود ذہنی اور جذباتی عوامل کو دریافت کرنے کی کوشش کی۔ ان کے خاکوں میں محبت، محرومی، تنہائی، اضطراب، احساسِ کمتری اور احساسِ برتری جیسے جذبات کی بھرپور عکاسی ملتی ہے۔ یہی نفسیاتی شعور ان کے فن کو گہرائی اور معنویت عطا کرتا ہے۔

فنی اعتبار سے بھی منٹو کی خاکہ نگاری اپنی مثال آپ ہے۔ ان کا اسلوب سادہ، رواں، بے تکلف اور حقیقت سے قریب تر ہے۔ انہوں نے زبان کی سادگی کو فنی حسن کے ساتھ ہم آہنگ کر کے ایک ایسا اسلوب تشکیل دیا جو نہ صرف قاری کی توجہ اپنی طرف مبذول کرتا ہے بلکہ اس کے ذہن پر گہرے اثرات بھی مرتب کرتا ہے۔ ان کے مشاہدے کی قوت، جزئیات نگاری اور کرداروں کی نفسیاتی تشکیل ان کی تخلیقی مہارت کا واضح ثبوت ہیں۔

یہ کہنا بجا ہوگا کہ منٹو نے اردو خاکہ نگاری کو ایک نئی شناخت فراہم کی۔ انہوں نے اس صنف کو رسمی اور روایتی حدود سے نکال کر اسے حقیقت نگاری، نفسیاتی تجزیے اور انسانی شعور کے اظہار کا ایک مؤثر وسیلہ بنایا۔ ان کے خاکے نہ صرف اپنے عہد کی سماجی اور تہذیبی زندگی کی عکاسی کرتے ہیں بلکہ انسانی فطرت کے ان پہلوؤں کو بھی آشکار کرتے ہیں جو ہر دور میں یکساں اہمیت رکھتے ہیں۔

لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ سعادت حسن منٹو کی خاکہ نگاری اردو ادب کا ایک قیمتی سرمایہ ہے۔ ان کے خاکے فکری گہرائی، فنی پختگی اور انسانی شعور کے اعتبار سے نہایت اہم ہیں۔ موجودہ دور میں بھی ان کی تحریریں ادب کے محققین اور ناقدین کے لیے ایک اہم ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کے فن کا مطالعہ نہ صرف اردو خاکہ نگاری کے ارتقا کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے بلکہ انسانی شخصیت اور معاشرے کے باہمی تعلق کو بھی نئے زاویوں سے دیکھنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www. al-aasar.com
Vol. 3, No.1 (2026)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

حوالہ جات

1۔ مغنی تبسم، زبان وادب، نئی دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، 2007ء، ص125

2۔ منٹو، سعادت حسن، گنجے فرشتے، لاہور: مکتبہ جدید، 1952ء، ص16

3۔ وارث علوی، منٹو ایک مطالعہ، دہلی: مکتبہ جدید، 2002ء، ص117

4۔ عصمت چغتائی، میرا دوست میرا دشمن، مشمولہ، سعادت حسن منٹو از پریم گوپال متل: دہلی، ایچ ایس آفسیٹ پریس، 1999ء، ص26

5۔ منٹو، سعادت حسن، گنجے فرشتے، ص16

6۔ ہمایوں اشرف، منٹو ایک لیجنڈ، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، 2008ء، ص539

7۔ کرشن چندر، سعادت حسن منٹو، ممبئی: کتب پبلشرز لمیٹڈ، 1948ء، ص32

8۔ عابد علی عابد، سید، گنجہ فرشتہ، مشمولہ، منٹو ایک لیجنڈ، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، 2008ء، 225

9۔ منٹو، سعادت حسن، گنجے فرشتے، ص105

10۔ ایضاً، ص145

11۔ منٹو، سعادت حسن، لاؤڈ سپیکر، امرتسر: آزاد بک ڈپو، س ن، ص90

12۔ منٹو، سعادت حسن، لاؤڈ سپیکر، ص284